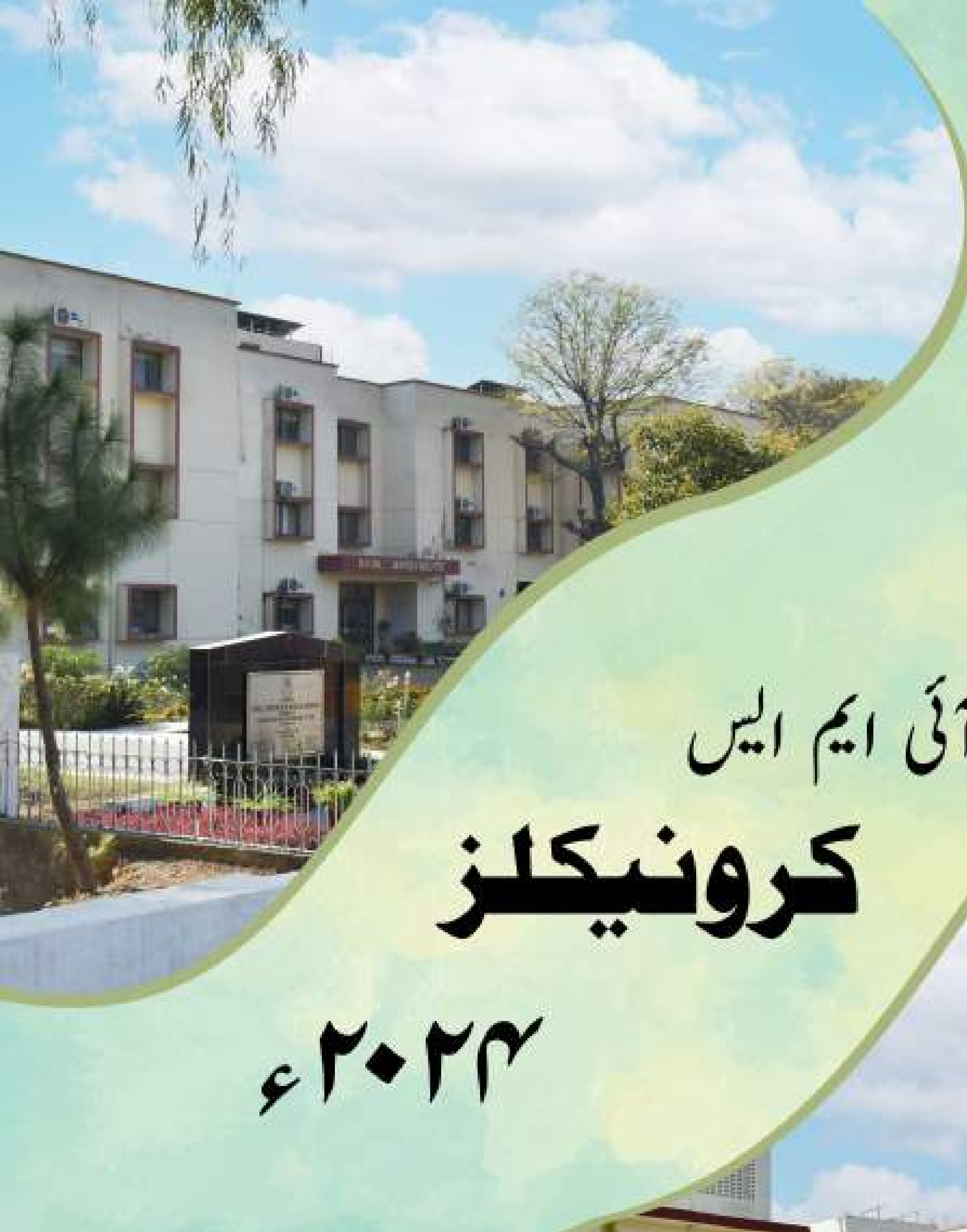

HITEC

آئی ایم ایس

کرونیکلز

۲۰۲۴ء

ہائی ٹیک انسٹیٹوٹ آف میڈیکل سائنسز، ٹیکسلا

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع اللہ کے نام سے،

جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

عزیز قارئین

السلام علیکم!

مجھے اس درسگاہ، ہائی ٹیک آئی ایم ایس، ٹیکسلا، کے ساتھ اس کے قیام سے لے کر آج تک رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ کسی ادارے کی ابتدائی مشکلات، نامساعد حالات، منفرد رکاوٹوں اور اعصاب شکن غیر یقینی کے ادوار کا عینی شاہد ہونا بذات خود ایک مطالعاتی تجربہ ہے۔ خوش منظر ایچ آئی ٹی کے احاطے میں پہلے سے موجود چند عمارات، کچھ نئی تعمیرات کے ساتھ آج ایک میڈیکل کالج، ایک ڈینٹل کالج اور ایک پیرا میڈیکل سکول میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ یہ سفر ابھی جاری ہے اور "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" کے مصداق اگلے اہداف کا تعین کیا جا رہا ہے۔ ان شاءاللہ بہت جلد ایک نرسنگ کالج کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

بہت قلیل مدت میں ہائی ٹیک آئی ایم ایس نے میڈیکل کالجز کی برادری میں اپنی ایک قابل عزت پہچان بنائی ہے جس کا سہرا کالج کے تمام ادوار کے معزز پرنسپل حضرات، مجلس انتظامیہ، قابل اساتذہ اور محنتی طلباء وطالبات کے سر ہے۔ نصابی سرگرمیوں کے اعلیٰ معیار کی گواہی یونیورسٹی کے نتائج اور پوسٹ گریجویٹ امتحانات میں ہمارے طلباء وطالبات کی کامیابی سے ملتی ہے۔

غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی ہم کسی سے کم نہیں۔ پھر وہ چاہے کھیل اور کھلاڑی ہوں یا قلم اور لکھاری، ہم سا ہو تو سامنے آئے! میرے اس دعوے کا ایک ثبوت اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ میگزین ہمارے طلباء وطالبات کی ادب اور فنون لطیفہ میں دلچسپی کا عکاس ہے۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں اظہار کا سلیقہ ان کی تحاریر اور شاعری میں نظر آ رہا ہے تو زندگی کے مختلف رنگوں کو کینوس پر اپنے منفرد انداز میں بکھیرنے کی صلاحیت ان کی پینٹنگز سے عیاں ہے۔ اس دلکش میگزین کا مطالعہ کیجئے، نصابی وغیر نصابی سرگرمیوں اور کالج سوسائٹیز کے تعارف کی تصاویر دیکھیے، مستقبل کے مسیحاؤں کی کاوشوں کو سراہیے اور ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے۔

خیر اندیش

ڈاکٹر عنبرین جاوید

فیکلٹی سرپرست

لٹریری سوسائٹی

ڈیر آئی ایم ایس کمیونٹی

میں آپ سب کو آئی-ایم-ایس کے تیسرے شمارے میں خوش آمدید کہتی ہوں۔ ان تمام لوگوں کی کوشش قابل ستائش ہیں جنھوں نے اس میگزین کی تیاری میں دن رات محنت کی۔ یہ میگزین ہمارے ادارے کی کامیابیوں اور تعلیمی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا بہترین عکاس ہے۔

مجھے امید ہے کہ جس طرح ہمارے طلبہ ہر پلیٹ فارم پر ہمارا سر فخر سے بلند کرتے نظر آتے ہیں ان کی یہ کوشش بھی آپ کو مایوس نہیں کرے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ادارے کو مزید ترقی دے اور ہمارے طلبہ کو ہر جگہ کامیابی عطا کرے۔ آمین۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

ڈاکٹر نوشین اشرف
اسسٹنٹ پروفیسر ڈینٹل میٹیریل
پیٹرن لٹریری سوسائٹی
ڈینٹل کالج ہائی ٹیک آئی ایم ایس

لامتناہی سمندر

از کی خالد
سال چہارم ایم بی بی ایس

میرے خیال میں دنیا کی ہر بیماری کا علاج نمکین پانی میں ہے پسینہ، آنسو یا سمندر۔ سمندر وہ کہ جس میں اتر کے دیکھوں تو میری روح جگمگا اٹھے۔ سمندر وہ کہ جس میں ڈوب کے میں، میں نہیں رہتی کل ہو جاتی ہوں۔ سمندر وہ جس کی جدائی میں ہم سب اس دنیا میں سکون کا لمحہ تلاش کرتے ہیں۔ سمندر وہ کہ جو مجھے روز اپنے پاس بلاتا ہے۔ سمندر وہ کہ جس سے کافر کا بھی دل کانپ جاتا ہے۔ سمندر وہ کہ جس سے دریا بھی سیراب ہو جائے۔ سمندر ایسا کہ موسیٰ کو بے تاب کر جائے۔ سمندر وہ کہ جو حسین کو مل جائے۔ سمندر وہ جو ابلیس کے لیے زہر بن جائے۔ سمندر وہ کہ جس سے مانگ لوں تو وہ جہاں دے دے سمندر وہ جو مجھے خود سے ملا دے تو ایسا کیوں ہے کہ میں، تم اس سمندر میں ڈوبتے نہیں۔ ارے یہ سمندر تو تیرا بھی ہے میرا بھی ہے۔ عجب بات ہے کہ ہر روز رات تم بھی، میں بھی اس کے پاس ہوتے ہیں مگر صبح اٹھتے ہی سب نظارہ بھول جاتے ہیں۔ یہ زندگی میرے اور اس کے درمیان ایک رکاوٹ ہے مشکل یہی ہے کہ سمندر مجھے تمہیں اپنے پیار کے احاطے میں لیے ہے۔ ہم جس گھمنڈ سے اس کے قرب کو ٹھکراتے ہیں وہ اگلے لمحے کسی دوسری لہر سے ہمارا حوصلہ بڑھاتا ہے۔ میری تمہاری ہر قسم کی بیماری کا علاج صرف یہی سمندر ہے۔

مسئلہ یہ نہیں کہ ہم نے خدا پہ یقین کرنا چھوڑ دیا ہے بلکہ مسئلہ تو یہ ہے کہ ہمیں اب خدا نظر ہی نہیں آتا۔ نہ اپنے اندر دیکھتے ہوئے نہ باہر اس کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہوئے۔ ہم اتنے لاپرواہ کیسے ہو سکتے ہیں کہ چاہے کوہ طور نہ سہی نسبت رسول تو ہے، آتش نمرود نہ سہی غضب اسرائیل تو ہے، پیاس اصغر نہ سہی پیاس کشمیر تو ہے، تو پھر ہم کس آزمائش کے منتظر ہیں کہ جب پہنچے گی تو فقط اسی کو پکاریں گے۔ بلاشبہ ہم پکارنا ہی نہیں چاہتے ہم ان سب چیزوں سے بالاتر ہو کے سوچتے ہیں کہ ٹھیک ہے خدا ہے ہو گا ہمیں اس سے کیا، ہمیں تو دنیا میں اپنی زندگی کو بہتر بنانے آئے ہیں، اور وہ بہتر تو سراسر پیسے پہ مشتمل ہے۔ جیسے پیسہ گیا تو ہم بھی گئے ہماری ساری محنتیں بھی گئیں۔ ارے خدا تو لامتناہی ہے کہ کافر کے دل میں بھی ہے اور مسلمان کے دل میں بھی نہ جانے میں اور تم کس بات پہ اتراتے ہیں۔ ہم اس کی محبت سے اتنا غافل کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس کی محبت کے سمندر میں ڈوب کر ہی ہماری روح کی تمام لغزشوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کی محبت ہے کہ وہ ہمیں معاف کر دیتا ہے ورنہ ہم میں اور کافر میں صرف اسی بات کا فرق ہے کہ ہم خدا کے فضل سے مسلمان پیدا ہوئے ہیں کہ گویا محبت ہوگی تو اس کے ہونے کا یقین ہوگا، اس کے ہونے کا یقین ہوگا تو اسے ہر جگہ پاؤ گے، اسے ہر جگہ پاؤ گے تو گناہ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچو گے، اگر یہ سوچ جنم لے گی تو اس کے بہت قریب ہو جاؤ گے وہاں تک چلے جاؤ گے کہ پھر دنیا کی ہر چیز خاک لگے گی، سب خاک معلوم ہوگا تو اپنا دکھ صرف اسے بتاؤ گے اور یقین رکھو گے کہ مدد کے لیے صرف وہی آئے گا، اس راہ پہ چلتے چلتے ایک دن اس سے اپنے سامنے پاؤ گے۔ آخر میں بس یہی کہنا چاہوں گی کہ صرف خدا کو بتانا ہوتا ہے باقی سب کو وہ خود بتا لیتا ہے۔

عزمِ سفر

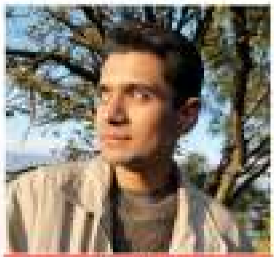

عمر فاروق
سال چہارم بی ڈی ایس

جنوری کی شدید سردی کا مہینہ تھا اور ہماری بوریت بھی عروج پر تھی، تبھی خیال آیا کیوں نہ پرانے دنوں کی یاد کو تازہ کیا جائے اور پہاڑوں کی خوبصورتی اور دلکشی سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کی سیر کی جائے۔

ہم پانچ دوست صبح سویرے صدر راولپنڈی پہنچے، وہاں سے میٹرو پر بیٹھے اور پاک سیکریٹریٹ اترے۔ یہاں سے پیدل ٹریل 5 کی جانب آغاز سفر کیا۔ شروع میں سفر آسان لگا لیکن تھوڑی دیر بعد شدید بھوک محسوس ہونے لگی تو سوچا رک کر کچھ کھا لیتے ہیں، اسی بہانے سانسیں بھی بحال ہو جائیں گی۔ جس جگہ ہم رکے لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا جو ہماری طرح قدرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے آئے تھے۔

ہم نے دوبارہ سفر شروع کیا اور کچھ ہی دور آگے گئے تو ایک بلند و بالا پہاڑ نظر آیا۔ اس پہاڑ کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ اس کو سر کرنا اپنے بس کی بات نہیں مگر اگلے لمحے ہی یہ فیصلہ کیا کہ جو ٹھان کر آئے تھے وہ پورا کر کے ہی جائیں گے۔

ہم نظاروں اور ایک دوسرے کی کمپنی سے محظوظ ہوتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ یہ سفر ابھی جاری و ساری ہی تھا کہ ہمارے ایک دوست کی طبیعت اچانک ناساز ہونے لگی۔ پیٹ درد، بھاری سر اور قے سے صورت حال مزید بگڑنے لگی۔ ہم سب گھبرا گئے اور واپسی کا سوچنے لگے مگر چونکہ ہم آدھا سفر طے کر چکے تھے تو واپسی ناممکن تھی۔ خوش قسمتی سے ہمارے پاس فرسٹ ایڈ کا ڈبہ موجود تھا جس میں درد اور قے کو روکنے کی ادویات موجود تھیں جنہیں بروقت لینے سے دوست کی طبیعت میں بہتری اور ہم سب کی جان میں جان آئی۔

سب نے فیصلہ کیا کہ اپنے بیمار دوست کے ساتھ ہم میں سے کوئی ایک اسی جگہ رک جائے اور باقی اپنا سفر جاری رکھیں۔

ہم تیز تیز قدموں کے ساتھ منزل کی جانب بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرے دوست میرے ساتھ نہیں ہیں، میں ان سے بچھڑ گیا تھا اور بہت دور نکل آیا تھا۔ میں نے ان سے فون پر بار بار رابطے کی کوشش کی جو کہ رائیگاں گئی۔ میں انہیں ڈھونڈنے پیچھے پلٹا مگر راستہ بھول گیا۔ پریشانی کے عالم میں ایسی جگہ پہنچا جس کے آگے کھائی تھی اور اس کھائی کے آگے سڑک۔ جو ہی میں آگے بڑھا، پھسلتا ہوا بیس فٹ نیچے گرا، میرا کوٹ اور بیگ سڑک پر جا گرے۔ مجھے شدید چوٹ لگی اور کپڑے بھی پھٹ گئے۔ وہاں سے سڑک تک پہنچنے کے لیے دس فٹ کودنا تھا۔ میری ہمت جواب دے چکی تھی کہ اچانک میری نظر ایک درخت پر پڑی جس کی شاخیں نیچے کو لٹک رہی تھیں۔ میں نے بڑی مشکل سے خود کو درخت تک پہنچایا، اس کی شاخوں کا سہارا لیا اور اللہ کا نام لے کر کود پڑا۔

کچھ دیر سڑک پر چلتا رہا اور بالآخر منزل پہنچ گیا۔ وہاں اپنے دوستوں کو کھانا کھاتے دیکھ کر منہ حیرانی سے کھلا کا کھلا رہ گیا کہ یہ تو مجھ سے پہلے ہی پہنچ گئے۔ انہوں نے میرے زخموں پر مرہم پٹی کی، ہم سب نے مل کر کھانا کھایا اور واپسی کی راہ لی۔

زندگی میں ایسے یادگار لمحات ہوتے ہیں جو ہمارے ذہنوں میں گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ سفر بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ مزید یہ کہ اچھے دوست اللہ کی بہترین نعمت ہیں۔ ایسی دوا ہیں جو ساری تکالیف اور درد بھلا دیتے ہیں۔ اللہ میرے دوستوں کو سلامت رکھے۔

تندی بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

شبیہ زہرا
سال چہارم بی ڈی ایس

علامہ اقبال ہمارے قومی شاعر تھے جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے تمام لوگوں میں شعور پیدا کیا اور انھیں بیدار کیا وہ فرماتے ہیں:

> ”تندی بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
> یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے“

اس شعر میں شاعر نے ہر قوم کے مرد و عورت کو مخاطب کیا ہے اور اقبال نوجوان نسل سے بہت انس رکھتے تھے۔ اپنی شاعری میں اکثر و بیشتر انھیں عقاب کہتے ہیں۔ عقاب اپنے اوصاف کی بدولت شاعرِ مشرق کا پسندیدہ پرندہ تھا۔ ہو بھی کیوں نہ، اپنے مقصد کے حصول کے لیے عقابی نگاہ ہونا، اور اپنے نشانے کو کبھی نہ چوکنے دینا۔ یہی اوصاف تو انسان کو کامیابی دلاتے ہیں۔

اس جہاں میں انسان مقصد خاص کے تحت بھیجا گیا ہے۔ اگر دنیا میں آ کر انسان اپنا مقصد و مقام کبھی نہ پائے تو دنیا اسے اپنے پیروں میں روند دیتی ہے۔ ڈر ہو تو صرف خدا کا ہو۔ تقوی اپنا کر ہی انسان بے خوف اور بے باک ہوتا ہے۔ اور تقوی اپنانے کے لیے قرآن و حدیث کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

شاعرِ مشرق اکثر طالب علموں اور نوجوان نسل سے مخاطب ہوتے تھے کہ نوجوان نسل کے خون کو اگر ایک مرتبہ گرما دیا تو پھر دنیا کی ایسی کوئی طاقت نہیں ہے جو مسلمانوں کو روک سکے اس بات کی تو سب گواہی دیتے ہیں کہ نوجوان نسل کی بیداری پوری قوم کی بیداری کے مترادف ہے۔ ان کو صرف ایک راہ دکھانے والا چاہیے، چاہے وہ مشعلِ علم ہو یا پھر کوئی خدا ترس لیڈر۔ نوجوان نسل اتنی نڈر ہے کہ کسی بھی حد تک جا کر مقصد کا حصول کرنے سے گھبراتی نہیں ہے۔ پاکستان کے بننے سے لے کر آج تک مخالف ہواؤں کا سامنا کرنے والے نوجوان ہی تو تھے۔ سب کے سامنے سچ لانے والے اور کبھی نہ گھبرانے والے نوجوان ہی تو تھے۔ نوجوان کو بیدار دیکھ کر ہی تو دشمن کے پیر کانپتے ہیں اور ان کے مقاصد انھیں مٹی میں ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نوجوان ملک وقوم کا سرمایہ ہیں اور ان میں عقابی روح کا بیدار ہونا لازم ہے جس کے لیے قرآن وسنت پر چلنا لازم ہے۔ انسان اگر کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایک ہی چیز ہے جو اس کو اس کے مقصد کے حصول سے روک سکتی ہے وہ ہے اس کی سوچ۔ اچھا گماں اور اچھی سوچ حصول مقصد کی پہلی سیڑھی مانی جاتی ہے۔ ذہنی طور پر مفلوج لوگ کبھی بھی کچھ بڑا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنے مسئلے مسائل پر غور وفکر کرنا اور حل نکالنا ہی حضرت انسان کی شان کے مطابق ہے نہ کہ حالات واقعات پر رونا دھونا۔ کہتے ہیں:

”خدا ایک در بند کرتا ہے تو ہزاروں در کھول دیتا ہے“

زمانہ کس سے ہے، ہم لوگوں سے ہے، حکومت کسی کی جاگیر نہیں ہے عوام کی طے شدہ ہے قرآن میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جیسی عوام ویسے حکمران۔ غلط راستے کو چننے کے مواقع تو ہر کسی کو ملتے ہیں مگر اس غلط راستے کو اپنانا ہے کہ نہیں یہ ہم پر منحصر ہے۔ ملک وقوم کے حالات کیوں خراب ہیں اسی وجہ سے کہ انسان اپنی کی گئی غلطیوں سے بری الذمہ ہونے کے لیے کسی اور کو قصوروار ٹھہرا رہا ہے۔ کوئی بھی حالات کا مرد مجاہد کی طرح سامنا کرنے کے لیے رضامند نہیں ہے۔ تو پھر اوڑان کیسے آ ئے گی۔ اس طرح تو حالات مزید خرابی کی جانب ہی گامزن رہیں گے۔ انسان کو چاہیے کہ انسان اپنے اردگرد عقابی نگاہ رکھے۔ جہاں کچھ غلط ہوتا دیکھے اس کی روک تھام کرے۔ اور خود بھی کڑی نظر رکھے کہ وہ ایسا کام نہ کرے جو خدا اور رسول کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ اور ملک وقوم کے لیے خرابی کا باعث ہو۔

عقاب جب اونچی اوڑان لیتا ہے تو اکثر کوا بھی اس کے مخالف آسمان میں اونچا اڑتا ہے۔ عقاب مقابلے میں کوے سے بحث ومباحثہ نہیں کرتا بس اڑتا جاتا ہے۔ آسمان کی اونچائی میں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کوے کی اوڑان کی ایک حد ہے اس کے اوپر خدا نے اسے اڑنے کی صلاحیت سے محروم رکھا ہے۔ اس طرح آسمان میں خود بخود ہی کوا زمین کی جانب واپس آنے لگتا ہے۔ یہی حال مصائب اور خوف کا بھی ہے۔ ایک وقت پر آگے بڑھتے بڑھتے اس مقام پر آ جاتا ہے کہ تمام کوششوں کے ثمر ان کی جھولی میں خود ہی گرنے لگتے ہیں۔ ہر طرف بس خدا ہی کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی مخالف حالات یا چیز راہ میں نہیں آتے۔ انسان اپنی ہستی کو صحیح معنوں میں تبھی سمجھتا ہے۔

چلتے رہو، گرو، اٹھو پھر چلو، اونچا اڑو، مقاصد کو جائز طریقے سے حاصل کرو،

خدا کو راضی رکھو یہی ہے زندگی، یہی ہے کامیابی۔

شخصیت سازی میں کھیلوں کی اہمیت

آرزو خان

اسٹوڈینٹ پیرامیڈیکس

کھیلوں کا انسانی شخصیت پر گہرا اثر ہوتا ہے، اور ان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کھیلوں کے ذریعے فرد نہ صرف جسمانی طور پر مضبوط ہوتا ہے بلکہ ذہنی اور جذباتی طور پر بھی بہتر ہوتا ہے۔ یہاں ہم شخصیت سازی میں کھیلوں کے کردار پر روشنی ڈالیں گے۔

۱۔ خود اعتمادی کی تعمیر

کھیلوں میں کامیابی فرد کی خود اعتمادی کو بڑھاتی ہے۔ جب کھلاڑی کسی کھیل میں مہارت حاصل کرتا ہے یا کامیابی حاصل کرتا ہے، تو اس کے اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ اعتماد زندگی کے دیگر پہلوؤں میں بھی مثبت اثر ڈال سکتا ہے۔

۲۔ ٹیم ورک اور قیادت کی مہارتیں

کھیلوں میں شریک ہونے سے ٹیم ورک کی اہمیت کا ادراک ہوتا ہے۔ مختلف کھلاڑیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے اور ایک مشترکہ مقصد کے لیے کوشش کرنے سے قیادت اور ٹیم ورک کی مہارتیں بڑھتی ہیں، جو کہ زندگی کے مختلف میدانوں میں کارگر ثابت ہوتی ہیں۔

۳۔ ڈسپلن اور خود انضباطی

کھیلوں کے دوران باقاعدگی سے ٹریننگ، وقت کی پابندی اور خود نظم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان خصوصیات کی ترقی فرد کی شخصیت کو منظم بناتی ہے، جو کہ زندگی کے مختلف چیلنجز کا سامنا کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔

۴۔ جذباتی کنٹرول

کھیلوں کے دوران مختلف جذبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے کہ خوشی، غصہ، اور مایوسی۔ ان جذبات کو سنبھالنے اور قابو کرنے کی صلاحیت فرد کو جذباتی طور پر مضبوط بناتی ہے، جو کہ مختلف حالات میں بہتر فیصلے کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

۵۔ جسمانی صحت اور تندرستی

بہتر جسمانی صحت اور تندرستی انسان کی مجموعی شخصیت پر مثبت اثر ڈالتی ہے۔ کھیلوں کے ذریعے جسمانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے، جو کہ ذہنی صحت اور عمومی خوشی کے لیے بھی ضروری ہے۔

۶۔ محنت اور صبر

کھیلوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے محنت اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسلسل کوشش اور شکستوں کے باوجود ہار نہ ماننے کی عادت فرد کو محنتی اور صبر والا بناتی ہے۔

نتیجہ

کھیلوں کا کردار صرف تفریح تک محدود نہیں ہے۔ ان کی مدد سے فرد اپنی شخصیت میں مثبت تبدیلیاں لا سکتا ہے۔ کھیلوں کے ذریعے خود اعتمادی، ٹیم ورک، ڈسپلن، جذباتی کنٹرول، جسمانی تندرستی، اور محنت کی خصوصیات میں اضافہ ہوتا ہے، جو کہ شخصیت سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح، کھیلوں کو زندگی کا لازمی حصہ سمجھنا اور ان کی اہمیت کو تسلیم کرنا چاہیے تاکہ ہم ایک مضبوط اور متوازن شخصیت تیار کر سکیں۔

قید خانہ

عائشہ شبیر

بیٹھے بیٹھے آج کچھ یاد آیا تو سوچا کیوں نہ لکھ ڈالوں

عرصے بہت کی بات ہے ایک دن بس خیال آیا اور میں تصور کی دنیا میں جا پہنچی جو کہ یقیناً عام لوگوں کے لیے عام سی بات ہے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک قید خانہ ہے، انگریزی میں کہنا چاہو تو پولیس سٹیشن، چھوٹا سا تھا کچھ خاص بڑا نہیں۔ چار سے پانچ جیلیں جن میں کئی مجرم موجود تھے۔ ایک طرف جیلر، تھانے کے آفسر کل ملا کر دس لوگ ہوں گے۔ کوئی چائے پی رہا ہے، کوئی کھانا کھانے میں مصروف تو کوئی اپنا کام کر رہا ہے، کوئی چہل قدمی کر رہا ہے تو کوئی خوش گپیاں یعنی چغل خوری میں مصروف ہے۔ خیر ہمیں کیا۔ تھوڑا آگے دو گاڑیاں کھڑی ہیں اور ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے جس میں کچھ درخت اور گنے چنے پھول ہیں۔ یعنی اس چھوٹے سے قید خانے میں ایک پوری دنیا بستی ہے۔ وہاں ایک جیل میں ایک جوڑے کو ڈالا گیا تھا جن کے متعلق سننے کو ملا کہ ان کو کسی جرم کی سزا کے لیے ڈالا گیا تھا، مگر کچھ لوگوں نے یہ بھی بتانا ضروری سمجھا کہ ان کا یہاں اس جیل میں آنا طے شدہ تھا۔ خیر وہ میاں بیوی تو دنیا سے رخصت ہو چکے تھے مگر ان کے بچے اسی جیل میں بند ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ وہ پیدا بھی وہیں ہوئے تھے یعنی انہوں نے دنیا نہ دیکھی تھی اور ان کی دنیا وہ قید خانہ ہی تھی۔ بچوں کی عمر زیادہ ہے تو کچھ کی کم مگر عمر کا کیا کرنا ہے، تھے تو سب قید میں۔ ایک دن قید خانے کے سربراہ نے سوچا کہ انکو آزاد کیا جائے مگر ان کا امتحان لیتے ہیں جو امتحان میں پاس ہوا اسکو آزادی دی جائیگی اور قسمت سے وہ دن آج کا ہی ہے جب میں وہاں موجود ہوں یعنی اپنی تصور کی دنیا میں اور مجھے سب دیکھنے کا موقع ملے گا۔ تھانے دار نے ان بچوں کو بلایا اور ان کو بتایا کہ وہ قید خانے میں موجود ہیں۔ دراصل دنیا بہت وسیع اور بہت خوبصورت ہے، باہر تو سب ملتا ہے، دودھ، شہد، آرام دہ بستر، پھل، بیشمار پھول اور سکون۔ اس قید خانے میں جو چیزیں دکھائی دیتی ہیں وہ تو صرف تماشا ہے، صرف مثال۔ باہر کی دنیا میں آزادی ہے اور نعمتیں ہیں بیشمار، تو تمہارا امتحان لیا جائے گا جو پاس کر گیا وہ آزاد۔ تھانے دار نے ان کی جیل میں ایک گول دائرہ بنا دیا اور کہا کہ میں تم لوگوں کو ایک دن کا کام دیتا ہوں۔ صرف ایک دن جو اپنی اس حد میں رہے گا وہ آزاد ہے۔ اسکے بعد تھانے دار نے ان کی جیل کا دروازہ کھلا چھوڑا اور خود چلا گیا۔ وہاں موجود سب کو لگا کہ تھانیدار ان کو بند کرنا بھول گیا ہے تو دراصل آزادی تو یہی ہے۔ کسی نے سمجھا کہ تھانے دار نے جھوٹ بولا ہے اور باہر کوئی دنیا نہیں، بس سب یہی ہے، اس نے اپنی حد کی پرواہ کیے بغیر باہر جانا زیادہ فائدہ مند سمجھا۔ کوئی باقی مجرموں کی طرف چلا گیا تو کوئی کھانے کی طرف، کوئی پھولوں کو محسوس کرنے کہ یہ ہے خوبصورتی دراصل۔ مگر کوئی تھا جس نے یہ سوچا کہ تھانے دار سچ بول رہا ہے اور وہ اپنی حد میں بیٹھا رہا یہ سوچ کر کہ ایک دن ہی کی تو بات ہے صبر کر لیتا ہوں۔

اسکے بعد میں اپنی تصور کی دنیا سے باہر آئی اور بس یہ کہہ گئی کہ

"دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے"(صحیح مسلم:٧٤١٧)

کوئی یہ نہ پوچھے کہ امتحان کا نتیجہ کیا تھا کیونکہ اسکا علم تو قیامت کے دن ہوگا کہ کون آزاد ہوگا، اپنے صبر کی بنیاد پر حد میں بیٹھنے والا یا کون قید خانے سے نیچے آگ سے بھری کال کوٹھری میں جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو یہ کہانی سمجھ آئی یا نہیں مگر یہ کہہ سکتی ہوں کہ ہم ایک قید خانے میں ہیں اور ہمیں اصل آزادی کا علم نہیں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہم مسلسل امتحان میں ہیں مگر ہم شاید بھول چکے ہیں کہ نتیجہ بھی آئے گا یا شاید ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ تھانے دار جھوٹا ہے یا وہ بھول کر جیل کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا ہے۔ آخر میں بس اتنا کہوں گی کہ

"دنیا کی زندگی بس ایک دن کی زندگی تھی۔ (طٰحٰہ : ١٠٤)"

اب سمجھنے کے لیے کہانی دوبارہ پڑھیں۔ شکریہ۔

ڈاکٹر عنبرین جاوید

جدید سائنسی دور کے تقاضے اور تربیت کی اہمیت

ترقی کی رفتار پچھلی تین دہائیوں میں جس قدر تیز ہوئی اس کی مثال پچھلے ادوار میں نہیں ملتی۔ انٹرنیٹ کے عوامی سطح پر استعمال نے دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کو ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے۔

آج نت نئی سائنسی ایجادات اس طرح ایک معمول بن چکی ہیں کہ اب ہمارے کسی نئی ایجاد کے تحیر سے نکلنے سے پہلے ہی اس کی کوئی مزید جدید شکل سامنے آ جاتی ہے۔ سائنسی ترقی کا یہ حیرت کدہ زندگی کے تمام شعبہ جات پر محیط ہو چکا ہے اور یہ عمل تسلسل کے ساتھ نئی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ اس جدید دور کے بدلتے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے افرادی تربیت وقت کی اہم ضرورت ہے۔

انسانی تربیت کی پہلی درسگاہ اس کا گھر ہوتا ہے۔ ایسا خانگی ماحول جہاں ایک طرف بچوں کو بنیادی اخلاقی اقدار، شخصی اعتماد، رشتوں کا احترام اور باہمی حقوق و فرائض سکھائے جاتے ہیں تو دوسری طرف معاشرے کے مثبت اور کارآمد افراد بننے کے لیے تعلیم اور تربیت فراہم کی جاتی ہے۔ والدین اپنے وسائل کے مطابق اپنی اولاد کو تعلیم فراہم کرنے کی ذمہ داری ادا کرتے میں بسا اوقات اپنی ضرورتوں اور خواہشوں کو بخوشی قربان کر دیتے ہیں۔ اپنے بیٹے/ بیٹی کے تعلیمی ڈگری حاصل کرنے کا دن والدین کے لیے ذاتی فخر کی ناقابلِ فراموش یاد بن جاتا ہے جسے وہ اکثر تصاویر میں محفوظ کر کے گھروں میں آویزاں کر لیتے ہیں۔ تربیت میں دوسرا بنیادی کردار اساتذہ کرام کا ہے۔

جدید دور میں تربیت کی ذمہ داری ان دونوں سطحوں پر پہلے سے کہیں زیادہ کٹھن ہو چکی ہے۔ والدین کے لیے ترقی اور معلومات کی دو دھاری تلوار کا اولاد کے حق بہترین استعمال اور اس کے مضر اثرات سے ان کو محفوظ رکھنا کسی جہاد سے کم نہیں۔ تعلیمی درسگاہوں میں نصاب اور طریقۂ تدریس مکمل طور پر تبدیل ہو چکا ہے۔ اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت ہر تعلیمی ادارے کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ جدید سمعی و بصری ذرائع ہر میدان میں اساتذہ کے معاون ہیں۔ آج کے طالب علم کو تنقیدی سوچ اور مسائل کے حل کی صلاحیتوں کی مربوط تربیت وقت کی اہم ضرورت ہے۔ عالمی سطح پر مسابقت کے لیے ہر مہارت میں عملی تربیت وقت کا تقاضہ ہے۔ قابل اور تربیت یافتہ افراد کے بغیر ایک ترقی یافتہ معاشرے کا تصور بھی محال ہے۔ متعدد ماحولیاتی چیلنجز ہمارے لیے خطرہ بن چکے ہیں جن سے نبرد آزما ہونا بغیر مناسب تربیت کے عملاً ناممکن ہے۔

ذاتی شخصی تربیت کی اہمیت کے اہم پہلوؤں میں صحت بخش عادات اپنانا، جذباتی توازن اختیار کرنا، تعمیری سوچ پر کاربند رہنا، معاشرے کے مثبت کرداروں کو مشعلِ راہ رکھنا، مذہبی رواداری کا داعی ہونا، ماحول سے مطابقت کی صلاحیت رکھنا، میانہ روی اور متحمل مزاجی پر ثابت قدم رہنا، غصے پہ قابو رکھنا، ترقی پسند سوچ کی آبیاری کرنا، جسمانی و ذہنی صحت کو مقدم رکھنا اور سب سے بڑھ کر زندگی بھر سیکھنے کے لیے خود کو آمادہ اور تیار رکھنا جدید دور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ درست خطوط پہ ہونے والی تربیت کامیابی کی ضامن ہے۔ ہنرمند اور تربیت یافتہ افراد سے تشکیل پانے والا معاشرہ ہی انسانی عظمت کا عکاس ہو سکتا ہے۔ آج تربیت پہ کی جانے والی محنت کل کی صبحِ روشن کی ضامن ہے۔

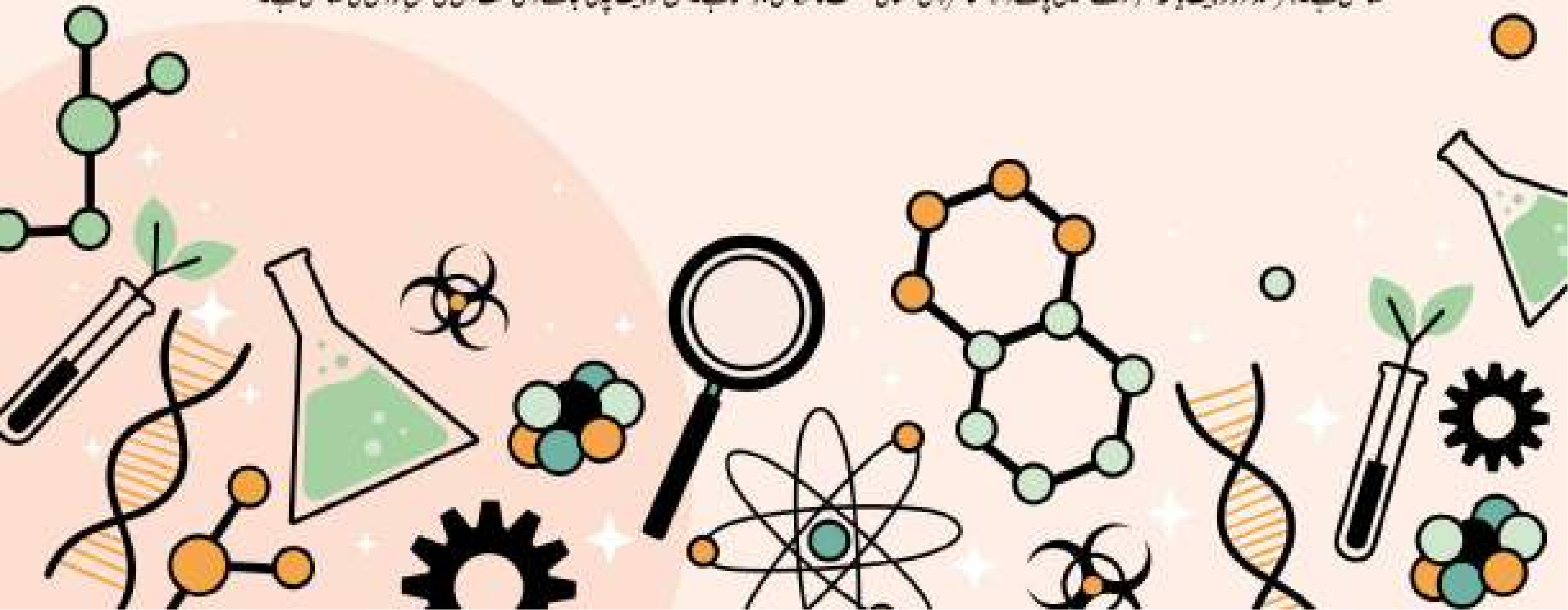

معاشرے کی ترقی میں پیشہ وارانہ تعلیم اور عورت کا کردار

کسی بھی معاشرے کی تشکیل عورت کے وجود کے بغیر نامکمل ہے۔ہم ایسے معاشرے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو صرف مرد حضرات پر مبنی ہو۔یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی تشکیل اور اسکی اصلاح و ترقی مرد و عورت دونوں کی باہمی ذمہ داری ہے۔

خاندان کی کفالت اور ضروریات کا خیال رکھنا مرد کی ذمہ داری ہے تو وہیں تربیت انسانی میں عورت کا اہم کردار ہے۔اس لیے اس کو معمار انسانیت کہا گیا ہے۔اور اگر یہ معمار تعلیم یافتہ ہو تو چار چاند لگانے کے مترادف۔ بدقسمتی سے آج بھی ہمارے ملک کا ایک طبقہ تعلیم نسواں کا مخالف ہے۔ان کے نزدیک جب عورت نے گھر داری ہی کرنی ہے تو اس تعلیم کا کیا ہی فائدہ؟؟ مانا کہ عورت کی اولین ترجیح اس کا گھر اور اولاد ہیں مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ عورت کو اللہ نے کثیر العملی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔جس طرح وہ گھر میں بیک وقت بہت سے کام کرتی نظر آتی ہیں اسی طرح وہ گھر سے باہر بھی اپنے فرائض عمدگی سے سر انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

پیشہ وارانہ تعلیم خواتین کو مختلف شعبہ جات میں مہارت فراہم کرتی ہیں جو کہ ان کی مالی خود مختاری میں اضافہ کا باعث ہے۔جس سے نہ صرف ان کے خاندان کے معاشی حالات میں بہتری آتی ہے بلکہ معاشرتی نظام میں بھی تبدیلی نظر آتی ہے۔آسمان سے باتیں کرتی مہنگائی نے ہر ایک کو اپنی زد میں لے رکھا ہے۔جس کی وجہ سے ہر گھر میں تناؤ، کشیدگی، بدمزگی اور پریشانی کی صورتحال ہے۔کہیں مرد حضرات آمدنی کا رونا رو رہے ہیں تو کہیں عورتیں اخراجات نہ پورے ہونے کا۔معاشرے میں جرائم کی شرح میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔اگرچہ مہنگائی عالمی مسئلہ ہے لیکن اگر گھر کے مردوں کے ساتھ پڑھی لکھی خواتین بھی ملازمت کے لئے نکلیں تو وہ اس بوجھ کو کسی حد تک کم کر سکتی ہیں۔جس سے نہ صرف انکی اپنی مالی مشکلات میں کمی آسکتی ہے بلکہ معیشت بھی مستحکم ہو سکتی ہے۔

پیشہ وارانہ تعلیم خواتین کو قیادت اور فیصلہ سازی کے مواقع بھی فراہم کرتی ہے۔جب خواتین اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتی ہیں تو وہ موثر فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں جو معاشرتی پالیسیوں اور منصوبوں میں توازن اور جامعیت لاتی ہیں۔جس کی مثال ایوان بالا میں بیٹھی منتخب ایم۔پی۔اے اور ایم۔این۔اے، عدلیہ میں بیٹھی منصفین اور کئی کمپنیوں کی سی۔ای۔او ہیں۔

خواتین سے متعلق بیشتر مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل کرنے میں بھی پیشہ وارانہ تعلیم کا اہم کردار ہے۔جس کی ایک مثال شعبہ طب سے منسلک خواتین ڈاکٹرز ہیں جن کی وجہ سے خواتین کی اکثریت کی صحت و علاج سے متعلق مشکلات میں کافی حد تک کمی واقع ہوئی ہے۔جو خواتین مرد معالج کے پاس علاج کروانے سے کتراتی تھیں آج وہ بلا جھجک خواتین ڈاکٹرز سے رجوع کرتی ہیں۔یہی نہیں آج ملک کے ہر میڈیکل اور ڈینٹل کالجز میں ڈاکٹر میڈیکل و ڈینٹل طلبہ طالبات کی تدریس کے فرائض بھی بڑی عمدگی سے نبھا رہی ہیں۔یہ خواتین نہ صرف معاشرے کی ترقی میں فعال کردار ادا کر رہی ہیں بلکہ اپنے بچوں اور خاندان کی صحت کے حوالے سے بھی بہتر فیصلے کرتی نظر آتی ہیں۔

اس کے علاوہ پیشہ وارانہ تعلیم مرد و عورت دونوں کو نئی ٹیکنالوجی جدید طریقوں اور عالمی رجحانات سے آگاہی فراہم کرتی ہے جو کہ ملکی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے میں معاون ہے۔

یہ سب عوامل مل کر خواتین کی تعلیم کو معاشرتی اصلاح و ترقی کیلیے ایک کلیدی عنصر بناتے ہیں۔جس سے نہ صرف خواتین بلکہ پورا معاشرہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم نسواں کو فروغ دیا جائے اور ان کے لیے ملازمت کے مواقع بھی فراہم کیے جائیں۔

ورفعنا لک ذکرک
ایک پیغامِ عظمت

ڈاکٹر سیدہ علیزہ قمر
لیکچرر فزیالوجی

قرآن پاک کی سورہ الشرح کی چھٹی آیت، "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" "اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا" پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور رفعت کا اعلان ہے۔ یہ مختصر سا جملہ ایک ایسی حقیقت کو بیان کرتا ہے جو تاریخ کے ہر موڑ پر واضح نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کے ذکر کو ہر زمانے، ہر خطے اور ہر قوم میں بلند و بالا کیا۔ دنیا کے مختلف حصوں میں دن رات پانچ وقت اذان کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے۔

"اشھد ان محمد رسول اللہ" کا اعلان ہر لمحے کرہ ارض کے کسی نہ کسی حصے میں گونج رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ منفرد اعزاز ہے جو کسی اور انسان کے حصے میں کبھی نہیں آیا۔ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کا مفہوم صرف زبانی ذکر تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں وہ تمام عزت اور مقام بھی شامل ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر دور میں دیا گیا ہے۔ رسول اکرم کی سیرت طیبہ اور آپ کے اخلاق حسنہ نے نسل در نسل لوگوں کے دلوں کو فتح کیا حتیٰ کہ غیر مسلم مورخین اور دانشور بھی آپ کی شخصیت کے عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات انسانیت کی رہنمائی کا وہ مینار ہیں جنہیں رہتی دنیا تک زوال نہیں آ سکتا۔ آپ کی سیرت ایک ایسی روشنی ہے جس نے اندھیروں میں بھٹکتی انسانیت کو صراط مستقیم دکھایا۔ آپ کے پیغام میں تمام انسانوں کے لیے بھلائی، انصاف اور محبت کا درس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ذکر نہ صرف مسلمانوں کی عبادات، بلکہ تاریخ اور فلسفے کے میدانوں میں بھی کیا جاتا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بلند مرتبہ اللہ کا وہ انعام ہے جس کا وعدہ آپ کی نبوت کے ابتدائی ایام میں کیا گیا تھا اور یہ وعدہ ہر دور میں پورا ہوتا رہا ہے۔ آپ کی ولادت سے پہلے دنیا جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی، مگر آپ کی بعثت کے بعد علم، حکمت اور اخلاق کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

اس آیتِ مبارکہ کے پیغام میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کا ذکر بلند کرتا ہے تو اسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ ہمارے لیے عملی نمونہ ہے کہ اگر ہم آپ کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو اللہ ہماری بھی عزت اور عظمت کو بلند کرے گا۔ آج کے دور میں جب دنیا مختلف نظریات اور تہذیبوں کے درمیان کشمکش کا شکار ہے، "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کا پیغام ہمیں یاد دلاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہمیشہ بلند رہا ہے اور ہمیشہ بلند رہے گا، چاہے حالات کیسے بھی ہوں۔ اس عظیم حقیقت کو سمجھنا اور اپنے اعمال و افکار میں اس کا عکس پیدا کرنا ہی ہمارے لیے کامیابی کا راستہ ہے۔ یہ آیت ہمیں یقین دلاتی ہے کہ دنیا کے تمام چیلنجز کے باوجود، نبی مکرم ﷺ کا پیغام ہمیشہ زندہ اور پائندہ رہے گا اور اس کا نور ہر دور میں انسانیت کو راہ دکھاتا رہے گا۔

سنہری باتیں

پروفیسر بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر نصر رشید ڈار

وائس پرنسپل، ہائی ٹیک میڈیکل کالج

معروف ماہر امراض جلد پروفیسر بریگیڈیئر ریٹائرڈ نصر رشید ڈار ہائی ٹیک آئی ایم ایس کے وائس پرنسپل ہیں جو اپنی علمی و انتظامی قابلیت، متحمل مزاجی اور مہربان طبیعت کے باعث طلب اور اساتذہ میں یکساں مقبول ہیں۔ آیئے ان سے ان کی زندگی اور کیریئر کے بارے میں کچھ گفتگو کرتے ہیں۔

سوال: السلام علیکم سر، ہم تہہ دل سے آپ کے مشکور ہیں کہ آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود ہمیں وقت دیا۔ دراصل ہم اس سال کے کالج میگزین کے لیے آپ کا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔

جواب: وعلیکم السلام، آپ کا شکریہ، جی ضرور، میں آپ کے سوالات کا جواب دینے کے لیے حاضر ہوں۔ تشریف رکھیے۔

سوال: سر سب سے پہلے ہمیں اپنے بچپن اور تعلیم کے بارے میں بتائیے۔

جواب: بنیادی طور پر میرا تعلق لاہور سے ہے۔ میرے دو بھائی اور ایک بہن ہیں۔ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے والدین کا لاڈلا تھا۔ میں نے میٹرک سینٹ میری ہائی سکول لاہور سے کیا اور ایف ایس سی کا امتحان ایف سی کالج لاہور سے پاس کیا۔ میرا داخلہ آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی میں ہوا جہاں سے میں نے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ سی ایم ایچ کھاریاں میں ہاؤس جاب کرنے کے بعد امراض جلد (ڈرماٹالوجی) میں سپیشلائزیشن کا ارادہ کیا۔ ابتدائی پوسٹنگ سی ایم ایچ اٹک ہوئی وہاں پر میں نے ایم سی پی ایس اور بعد ازاں ایف سی پی ایس پارٹ ون کا امتحان پاس کیا اور پارٹ ٹو ٹریننگ کے لیے سی ایم ایچ راولپنڈی آ گیا۔ اگلا تبادلہ کوئٹہ ہوا۔ مجھے یو این مشن کے تحت صومالیہ میں خدمات دینے کا بھی موقع ملا۔ فوجی نوکری کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ پاکستان کا بہت سا علاقہ دیکھ لیا۔ میں 2016 میں فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد سے اب تک ہائی ٹیک آئی ایم ایس سے منسلک ہوں۔

سوال: آپ نے ڈرماٹالوجی کے شعبے کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب: اگرچہ دیگر اہم شعبہ جات بھی تھے لیکن اس زمانے میں ڈرماٹالوجی میں نسبتاً زیادہ مواقع موجود تھے۔ میری دلچسپی فیلڈ کی نسبت کلینیکل کام میں زیادہ تھی اور میرا رجحان ڈرماٹالوجی کی طرف تھا۔

سوال: اپنی زندگی کا سپر ہیرو اور رول ماڈل کسے سمجھتے ہیں؟

جواب: میں اپنے والد کو اپنی زندگی کا سپر ہیرو سمجھتا ہوں۔ ہم نے بچپن سے انہیں محنت کرتے دیکھا ہے۔ وہ ایک انتہائی مہربان، عاجز اور محنتی انسان تھے۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں ان ہی کی تربیت کی وجہ سے ہوں۔ کام سے لگن اور محنت کا جذبہ مجھے ان سے ہی وراثت میں ملا۔

سوال: پیشہ ورانہ اور ذاتی زندگی کے درمیان توازن قائم رکھنے کے لیے آپ کی حکمتِ عملی کیا ہوتی ہے؟

جواب: میں پوری کوشش کرتا ہوں کہ یہ توازن قائم رہے لیکن بسا اوقات پیشہ ورانہ ذمہ داریاں ذاتی زندگی سے ٹکراتی بھی ہیں اور ایسے میں انسان کو اپنی ذاتی خواہشات کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ یہ احساسِ ذمہ داری شعور کی پختگی کے ساتھ آتا ہے۔ میں اس کے لیے اپنی اہلیہ کا مشکور ہوں جنہوں نے ہمارے تینوں بچوں کی پرورش سے لے کر گھر کے تمام معاملات کو ہمیشہ بہترین انداز سے انجام دیا ہے۔

سوال: اپنی سب سے بڑی کامیابی کس کو سمجھتے ہیں، جس پہ آپ کو فخر ہے؟

جواب: میری سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک باعمل مسلمان بننے کی توفیق عطا کی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں کامل مسلمان ہوں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنی راہ پہ قائم رکھا ہوا ہے۔ میرے نزدیک ایک مثبت انسان اور سچا مسلمان بننا ہی اصل کامیابی ہے۔

سوال: آپ کو ایک دن کے لیے کوئی سپر پاور ملے تو کیا کریں گے؟

جواب: دلچسپ سوال ہے (ہنستے ہوئے)۔ اگر مجھے سپر پاور مل جائے تو فی الحال تو میں دو کام فوراً کروں گا۔ ایک تو اپنے کالج کو 150 نشستوں کے لیے پی ایم ڈی سی سے منظور کرواؤں گا اور دوسرا ایک اعلیٰ معیار کا نرسنگ سکول قائم کروں گا۔

سوال: زمانہ طالبعلمی میں کبھی کوئی بہانے بنائے؟

جواب: پڑھائی کے دوران تو نہیں لیکن (قہقہہ لگاتے ہوئے) جب وائیوا نزدیک آتا تو کبھی بیمار ہونے کا بہانہ بنا لیا کرتا تھا۔

سوال: اس ادارے کو اگلے پانچ سال بعد کہاں دیکھتے ہیں؟

جواب: میں اس ادارے کو بہت بلندی پر دیکھتا ہوں۔ انشاءاللہ یہ ایک دن ملک کی بہترین درسگاہوں میں شامل ہوگا۔ ہمارا تعلیمی، تدریسی اور تحقیقی معیار مزید بلند ہوگا۔

سوال: بطور وائس پرنسپل آپ اس کالج میں کس چیز کو اہم سمجھتے ہیں؟

جواب: میرے نزدیک سب سے اہم یہ ہے کہ جسے جو ذمہ داری دی جائے اس کو پوری ایمانداری اور محنت کے ساتھ انجام دیا جائے۔ میں خود بھی اس اصول پر کاربند ہوں اور اپنے ماتحتوں اور متعلقین سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں۔ میں نے یہ خوبی جنرل ریٹائرڈ حامد شفیق، پرنسپل ہائی ٹیک آئی ایم ایس، میں بدرجہ اتم پائی۔ میں نے ان سے انتظامی امور کے کئی اہم پہلوؤں کے متعلق رہنمائی حاصل کی جس سے میری پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں مزید بہتری آئی۔

سوال: کوئی ایسی فلم جسے آپ نے بار بار دیکھا ہو؟

جواب: دلچسپ سوال ہے۔ "شیر خان" میری پسندیدہ فلم ہے۔ شاید آپ نے نام بھی نہ سنا ہو، یہ ایک پرانی فلم ہے جسے میں بار بار دیکھنا پسند کرتا ہوں۔

سوال: کیا آپ کے بچوں میں سے بھی کسی نے شعبہ طب کا انتخاب کیا؟

جواب: جی ہاں، میرا ایک بیٹا بھی ڈاکٹر ہے اور مجھے اس پر فخر ہے کہ وہ بھی اس مقدس پیشے سے وابستہ ہے۔

سوال: مستقبل کے ڈاکٹروں کو کیا نصیحت کرنا چاہیں گے؟

جواب: میں نے دیکھا ہے کہ آج کل کے بچے بہت جلد کامیاب ہونا چاہتے ہیں اور اکثر "شارٹ کٹ" کی تلاش میں رہتے ہیں جو کہ درست نہیں۔ ہماری نسل کی اکثریت نے کم تنخواہوں پر محنت اور ایمانداری سے کام کیا۔ مجھے یاد ہے کہ میری پہلی تنخواہ تین ہزار روپے تھی۔ میں نے ہمیشہ محنت اور قناعت پسندی کو اپنا شعار بنایا۔ نوجوان ڈاکٹروں سے بھی یہی کہوں گا کہ محنت اور صبر و شکر کی عادت کے ساتھ دیانتداری کا راستہ اختیار کریں اور زندگی میں درست ترجیحات کا تعین کریں۔ آج بھی پاکستان میں پیشہ ورانہ ترقی کے بے شمار مواقع موجود ہیں، بس اس آپ اپنی تعلیمی اور تکنیکی قابلیت کے حصول کے لیے محنت کریں، مخلوقِ خدا کی خدمت عبادت سمجھ کر کریں، اپنے والدین کی دعائیں لیں اور اللہ سے اس کے فضل و کرم کی امید رکھیں۔ انشاءاللہ ایک تابناک مستقبل آپ کا منتظر ہے۔

اس بہترین نصیحت کے ساتھ وائس پرنسپل صاحب نے ہمیں نہایت شفقت کے ساتھ خدا حافظ کہا اور ہم ان کی شخصیت سے مزید متاثر ہو کر واپس لوٹے۔

ڈاکٹر اسماء حفیظ

اسسٹنٹ وائس پرنسپل
ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ (اناٹومی)
ہائی ٹیک آئی ایم ایس میڈیکل کالج

ڈاکٹر اسماء حفیظ ہائی ٹیک آئی ایم ایس میڈیکل کالج کے شعبہ تشریح الاعضاء (اناٹومی) کی سربراہ اور اسسٹنٹ وائس پرنسپل ہیں۔ ایک بہترین استاد ہونے کیساتھ ساتھ کثیر الجہتی خوبیوں سے مزین ایک متوازن شخصیت کی مالک ہیں۔ ان کی زندگی اور تجربات کے بارے میں غیر رسمی گفتگو ہمارے قارئین کی نذر ہے۔

سوال: آپ کہاں پیدا ہوئیں، بچپن کہاں گذرا؟ بعد کے ادوار کہاں بسر ہوئے؟

جواب: میں لاہور میں پیدا ہوئی۔ چار بہنوں اور ایک بھائی میں میں چوتھے نمبر پر ہوں۔ نہایت شفیق والدین کی تربیت میں پلی بڑھی۔ میری تینوں بڑی بہنوں سے مجھے بہت محبت ملی۔ میرے مرحوم والد، حفیظ قریشی، پاکستان کے مایہ ناز نیوکلیئر سائنٹسٹ تھے۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں حال ہی میں حکومت پاکستان نے انہیں صدارتی ایوارڈ سے نوازا ہے۔ والدہ حیات ہیں، اللہ کریم ان کا سایہ ہم پر سلامت رکھے۔ میں تین یا چار سال کی تھی جب ہم لاہور سے راولپنڈی منتقل ہوئے اور جب ساتویں جماعت میں پہنچی تو ہمارا خاندان واہ کینٹ آن بسا۔ ایف ایس سی پری میڈیکل یہیں سے کی بعد ازاں علامہ اقبال میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کیا جس کے دوران ہاسٹل کی زندگی کا تجربہ ہوا۔ ہاؤس جاب کے بعد میری شادی بھی واہ کینٹ میں ہی ہوئی، تب سے یہاں پر ہی مقیم ہوں۔ میری دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔

آپ نے اپنے لیے شعبہ طب کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب: والد سے ملی وراثت کہہ لیجئے کہ شروع ہی سے میرا ذہن منطقیت پسند تھا اور مجھے فزکس میں دلچسپی تھی۔ ایف ایس سی میں ریاضی ایک اضافی مضمون کے طور پر پاس کر کے انجینئرنگ کے شعبے میں جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ مجھے اپنے چچا کی بیماری کے دوران ان کے ساتھ کچھ عرصہ ہسپتال رہنے کا اتفاق ہوا۔ کچھ ان کی خواہش اور کچھ اس ماحول سے سیکھے احساس ذمہ داری نے میرے ڈاکٹر بننے کے کچے پکے ارادے کو ایسی استقامت عطا کر دی کہ اس سفر میں پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

سوال: آپ کی کوئی ایسی صلاحیت جس سے لوگ واقف نہ ہوں؟

جواب: یہ کہنا تو مشکل ہے کہ لوگوں کو اندازہ ہے یا نہیں لیکن ایک تو میں منفی باتوں کو زیادہ دیر تک یاد نہیں رکھتی مثبت رویے البتہ میں کبھی بھول نہیں پاتی۔ اس عادت نے مجھے ذہنی سکون و اطمینان کی نعمت عطا کی ہے۔ بسا اوقات اپنی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی خالصتاً اللہ کی رضا اور دوسرے شخص کی ذہنی آسودگی کے لیے معافی مانگنے اور دوسرے شخص کو اس کے طرز عمل پر غور و فکر کرنے کا موقع دینے کا حوصلہ کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میں شکر گزار رہوں کہ اللہ نے مجھے قناعت کی دولت سے نوازا ہے جو زندگی کو سہل بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

سوال: نظام تعلیم میں کن تبدیلیوں یا اصلاحات کو ضروری سمجھتی ہیں؟

جواب: دیکھیں ہمارے نظام تعلیم کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم متجسس دماغ نہیں پیدا کر پاتے۔ طلبہ کو غیر ضروری مسابقتی ماحول فراہم کر کے ان سے باہم معاونین بن کر کام کرنے کی توقع کرنا عملی طور پر درست نہیں۔ علم اور معلومات کے مابین ایک خلیج حائل ہے۔ فی زمانہ صحیح اور غلط معلومات کے ذرائع تک رسائی بے حد آسان ہے۔ علم، تجزیہ کرنے کے بعد درست معلومات کو ذہن میں جذب کرنے کی صلاحیت ہے۔ ہم چھوٹی عمر سے ہی بچے کو سوال کرنے سے منع کرتے ہیں، ایسا کرنا گستاخی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ میں غور و فکر کی صلاحیت ختم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ میڈیکل کے کچھ استاد

بھی اپنی کلاس میں سوالات کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ اس رویے کے پس پردہ ہماری انا، کم علمی یا اعتماد کا فقدان ہوتا ہے۔ بدلتے دور کے تقاضوں کے مطابق استاد کی اپنی تربیت بے حد ضروری ہے۔ نمبروں کی دوڑ میں علم کی جستجو کہیں پیچھے رہ گئی ہے۔ مکالمہ کی آزادی ایک صحت مند اور مہذب معاشرے کی نشانی ہے۔ جہاں مکالمہ ختم ہو جائے وہاں متعدد حقائق و واقعات شجر ممنوعہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مزید یہ کہ موبائل فون کے بیدریغ استعمال کے باعث ادبی ذوق، فنون لطیفہ سے شغف اور کتاب پڑھنے کا رجحان دن بدن کم ہو رہا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

سوال: آپ نے اپنے طلبہ سے بھی کچھ سیکھا؟

جواب: جی بالکل بہت کچھ سیکھا ہے۔ اصل میں تعلیم دینا اور سیکھنا ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ کئی بار ہمارے طلباء ہمارے استاد بن جاتے ہیں۔ مجھے اپنا ایک طالب علم یاد ہے جو سالانہ امتحان میں فیل ہوا اور پھر اس کا سال بھی ضائع ہو گیا۔ پھر اس نے جس طرح اپنے وقت کو منظم کیا وہ یقیناً لائق تحسین ہے۔ وہ صبح اناٹومی کا لیکچر سنتا، شام کو اسے دہراتا اور مجھے ٹیسٹ دینے آتا۔ اس طرح محنت اور وقت کے بہترین استعمال سے اس نے اپنے ناکامی کو کامیابی میں بدل دیا۔ طلباء سے روزمرہ گفتگو کے دوران بھی کئی معاملات کے منفرد پہلو سامنے آتے ہیں اور ہمیں سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

سوال: آپ کی زندگی کے اہم رول ماڈل کون ہیں اور کیوں؟

سب سے پہلے تو میرے مرحوم والد ہیں۔ وہ بے حد خوش طبع اور نرم مزاج انسان تھے۔ انہیں ہم نے کبھی غصے میں نہیں دیکھا ہوں مگر ایک احساس رہتا تھا کہ ہم کبھی ان کی مایوسی کی وجہ نہ بنیں اس لیے ہم بہن بھائی ہمیشہ ان کے فرمانبردار رہے۔ ان کو چار بیٹوں کا باپ ہونے پر فخر تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ان کی زندگی کی دو محرک قوتیں تھیں، ایک، اللہ پر ایمان اور دوسری پاکستان سے محبت۔

میرے دوسرے رول ماڈل، میرے سسر، بہت شفیق انسان تھے۔ ان کا عمر کے آخری ایام تک حتی الوسع اپنے کام خود کرنے کی ہمت کرنا میرے لیے بہت متاثر کن تھا۔

میرے استادوں میں اناٹومی کے پروفیسر ڈاکٹر یونس خان میرے لیے ہمیشہ مشعل راہ رہیں گے۔ ان سے میں نے اناٹومی کے علاوہ اور بھی بہت کچھ سیکھا جس میں پیشہ ورانہ صلاحیت، سائنسی تحقیق میں دلچسپی سے لے کر زندگی گزارنے کے افکار و نظریات تک شامل ہیں۔

درون خانہ ایک طرف میری ساس صاحبہ میرے لیے ایک مضبوط سہارا رہیں تو دوسری طرف میرے شوہر کی کشادہ دلی نے میری تدریسی و خانگی ذمہ داریوں کو سہل بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سوال: اپنی زندگی پر نظر دوڑائیں تو آپ کو خود پر کس بات پر فخر محسوس ہوتا ہے؟

مجھے اپنے عورت ہونے پر فخر ہے۔ سچ پوچھو تو میری زندگی میں فخر کا ہر لمحہ اللہ تعالی کے خاص کرم کا نتیجہ رہا ہے جس کے لیے میں اللہ کریم کا شکر ادا کرتی ہوں۔ مجھے اگر دوبارہ زندگی ملے تب بھی میں اسما حفیظ ہی بننا چاہوں گی اور اللہ تعالی کے بے انتہا کرم سے دوبارہ لطف اندوز ہو کر پھر سے اس کا شکر ادا کروں گی۔ مجھ سے وابستہ لوگوں کی خوشیوں میں ہی میری خوشی ہے۔ جب بھی ان کے لیے کچھ کر سکوں تو دلی راحت و اطمینان محسوس کرتی ہوں۔

سوال: آپ کے نزدیک زندگی کیا ہے؟

جواب: زندگی لمحہ موجود کو بہترین انداز میں جینے کا نام ہے۔ یہ اللہ تعالی کی نعمت ہے جس پر ہمیں شکر گزار رہنا چاہیے۔ کوئی بھی کام کریں تو اسے اس کی بہترین سطح پر کرنے کا عزم کریں پھر چاہے وہ چائے کا بہترین کپ بنانا ہو یا پڑھائی کا میدان۔ اپنی بہترین صلاحیت کو بروئے کار لائیں اور اس میں مزید نکھار پیدا کریں۔ جب غیر نصابی سرگرمیوں اور ذاتی مشاغل کا وقت ملے تو ان سے بھرپور لطف اندوز ہوں۔ زندگی بہت خوبصورت ہے، ہر لمحہ اللہ کا شکر ادا کریں اور اللہ کی رضا کے لیے اس کی مخلوق کا خیال رکھیں۔

سوال: ایسا کچھ جو آپ مختلف طریقے سے کر سکتی تھیں یا کرنا چاہتی ہیں؟

جواب: ویسے تو کئی چیزیں ایسی ہیں لیکن کبھی کبھار یہ خیال آتا ہے کہ میں کوئی کلینیکل شعبہ اختیار کر لیتی۔ جب میں ہسپتال میں کام کرتی تھی تب بھی میں پوری لگن کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتی، مریضوں کا پورا خیال رکھتی، میرے سینیئرز میرے کام سے مطمئن ہوتے۔ مجھے یاد ہے کہ میں اس وقت گھریلو امور بھلا کر مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں ادا کرتی۔ پھر میں نے تعلیمی میدان میں آنے کا فیصلہ کیا جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس طرح میں اپنے گھر اور بچوں کو بھی وقت دے پاؤں گی۔ الحمدللہ مجھے اس فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ وقت کے ساتھ انسان کو سمجھ آتی ہے کہ زندگی کا اصل سکون قلبی اطمینان میں ہے، روپے پیسے اور دیگر آسائشوں میں نہیں۔

سوال: کونسی سپر پاور لینا چاہیں گی اور اس کا کیا استعمال کریں گی؟

جواب: میرے بس میں ہو تو میں دنیا سے جنگ اور غربت کا خاتمہ کر دوں۔ سپر پاور ملے تو ان تمام عوامل کو درست کر دوں جن کی وجہ سے نئی نسل ناخوش ہے۔

سوال: آپ کی پسندیدہ کتاب کونسی ہے اور کیوں؟
جواب: شہاب نامہ اور نسیم حجازی کے ناول ایک زمانے میں میرے پسندیدہ رہے۔ نسبتاً نئے دور کی تحاریر میں ہیری پوٹر سیریز بہت پسند آئی، اس کو میں نے ان گنت مرتبہ پڑھا۔ اس سے وقت کے ساتھ انسانی زندگی میں آنے والی جذباتی تبدیلیوں کو سمجھنے میں مدد ملی۔ حال ہی میں 40 "رولز آف لوو" نامی کتاب کو دوبارہ پڑھا تو اس نے مجھ پر ایک مختلف اور گہرا اثر چھوڑا۔

سوال: آپ کسی کتاب یا فلم کا کردار بن سکیں تو کیا بننا چاہیں گی اور کیوں؟
جواب: بچپن میں مجھے لگتا تھا کہ میں بہت اچھی اداکارہ بن سکتی ہوں۔ اب فلم کا کردار تو شاید نہ بننا چاہوں لیکن "تھری ایڈیٹس" فلم میں عامر خان کے کردار سے بے حد متاثر ہوں۔ اس کردار کا اصول ہوتا ہے کہ جو انسان کا دل مانے اسے وہی کرنا چاہیے۔ آپ نے خود بھی دیکھا ہوگا کہ خود سے ناخوش انسان کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

سوال: ایک مصروف دن کے بعد ذہنی سکون کے لیے آپ کا کوئی مشغلہ؟
جواب: اپنے گھر کے پرسکون ماحول میں اپنے شوہر کے ساتھ چائے کا کپ پینا دن بھر کی تھکان دور کر دیتا ہے اور ساتھ میں اگر کوئی اچھی کتاب پڑھنے کو ہو تو کیا بات ہے!

سوال: اگر کالج میں اپنا کردار کسی کے ساتھ تبدیل کر سکیں تو کون ہوگا اور کیوں؟
جواب: کسی کے ساتھ نہیں! میں اپنے مضمون کے ساتھ اس قدر مخلص ہوں کہ میں کسی اور کے کردار کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتی۔

سوال: زمانہ طالبعلمی کا کوئی دلچسپ واقعہ؟
جواب: معروف گائناکالوجسٹ ڈاکٹر راشد لطیف ہمارے کالج کے پروفیسر تھے۔ وہ اپنی کلاس میں حاضری نہیں لگاتے تھے لیکن اتنے اچھے استاد تھے کہ کلاس طلباء و طالبات سے بھری ہوتی تھی، ان کا کہنا تھا کہ جسے آنا ہو اپنے شوق سے آئے، مجبوری سے نہیں۔ دیر سے آنے والے طالب علموں کو بھی آنے دیتے تھے۔
ایک بار لیکچر ہال کے پچھلے دروازے سے ایک لڑکا آدھا لیکچر ختم ہونے کے بعد داخل ہوا تو پروفیسر صاحب نے کہا "آج بہت دیر ہوگئی ہے، واپس چلے جاؤ"۔ پھر دیکھا کہ ایک لڑکی بھی ساتھ ہے تو فرمایا "آجاؤ دونوں!" اسی اثنا میں ایک اور لڑکا آ گیا تو پروفیسر صاحب پہلے تو خاموشی سے اسے دیکھتے رہے اور پھر یوں گویا ہوئے "یا واپس چلا جا یا کوئی نوں لے کے آ" اس پر کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی۔ اس طرح کے کئی اور واقعات ہیں

سوال: آپ کس نام یا خوبی سے دنیا میں یاد رکھی جانا چاہیں گی؟
جواب: میں چاہتی ہوں کہ میرے طلبہ مجھے ایسے استاد کی حیثیت سے یاد رکھیں جس نے انہیں ایک اچھا معالج ہی نہیں ایک اچھا انسان بننا بھی سکھایا۔

سوال: نئی نسل کو کیا نصیحت کرنا چاہیں گی؟
جواب: یاد رکھیں کہ جو آپ کے نصیب میں ہے وہ آپ کو مل کر رہے گا اور جو کسی اور کا نصیب ہے وہ آپ کو نہیں ملے گا۔ یہ اللہ کے فیصلے ہیں۔ سو آپ اپنے حصے کی محنت کرتے جائیں، باقی سب اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں اور دنیا و آخرت میں عافیت کی دعا کریں۔ اللہ کریم کے نوازنے کے اپنے طریقے ہیں جو آپ کو شعور کی منزلیں طے کرنے کے ساتھ سمجھ میں آتے جائیں گے۔

غزل

اِک سہانا خواب دِکھلایا گیا اِک قوم کو
اور پھر اُس خواب کی تعبیر کو بدلا گیا

اِک نیا مفہوم دے کر میرے سب الفاظ کو
کیسے کیسے میری ہر تحریر کو بدلا گیا

پہلے میرے خون میں اک زہر کو شامل کیا
بعد ازاں اُس زہر کی تاثیر کو بدلا گیا

پہلے میرے ہاتھ سے چھینی گئی میری کماں
پھر مرے ترکش کے ہر اِک تیر کو بدلا گیا

پہلے میرے گھر سے اردو کی جڑیں کاٹی گئیں
اور پھر اقبال کو اور میر کو بدلا گیا

میرے بچوں کو کیا مقروض مغرب کا ودود
ایسے میری قوم کی تقدیر کو بدلا گیا

ڈاکٹر فیصل ودود

کشف علی

غزل

کاسۂ دل خالی ہے یار ہرجائی ہے
وصل عشق میں بھی نہ ہجر سے رہائی ہے

اس کو دیکھنا تو بس دیکھتے ہی رہنا
یہ حسرتِ دید ہی بسترِ مرگ تک لائی ہے

انتظار گن میں مدتوں مانگتے رہنا
فقط یہیں تک ہی عاشقوں کی رسائی ہے

قصۂ غم حیات کو ہنس کے یوں اڑا دینا
اس دورِ ناگوار میں عاشقی کس موڑ تک لائی ہے

اس حقیقتِ زندگی میں بھی خیالاتِ یار من
اس فریب میں ہی لذتِ عشق سے آشنائی ہے

پوچھنا تھا!

اختیار کرلی ہے دوری مجھ سے
یہ سوال تم سے پوچھنا تھا

کیوں کی ہے تم نے بے وفائی مجھ سے
یہ سوال تم سے پوچھنا تھا

اپنے دل سے نکال دی میری یادیں
یہ سوال ہم سے پوچھنا تھا

بھلا بیٹھے ہو رفاقت کے لمحات کو
یہ سوال تم سے پوچھنا تھا

کیوں ہمیں اپنا سمجھتے نہیں ہو تم
یہ سوال تم سے پوچھنا تھا

رامین عاصم
سال سوئم ایم بی بی ایس

آرزو

چمن کی فضاؤں سے ملاقات تو کرا دو
دل کو دل سے ملانے کا رستہ تو بتا دو

پھول پتوں تک میرا پیغام محبت تو پہنچا دو
ان کی بے رخی پہ میرے دل کو ہنسنا تو سکھا دو

ان ہواؤں، ان فضاؤں میں کہیں گم سا گیا ہے
میرے دل کا ایک گوشہ جو مجھ سے روٹھ سا گیا ہے

شہزاد عابد
سال چہارم ایم بی بی ایس

غزل

کاش بات کرنے کا تُجھ سے کوئی بہانہ مِل جائے
اس بے گھر کو تیرے دِل میں ٹھکانہ مِل جائے

مانا کہ شراب حرام ہے میرے عقیدہ و ایمان میں
کیا ہو اگر تیری آنکھوں میں حلال سا میخانہ مل جائے

تُجھ سے اور کیا چاہوں میں تیرے سوا ہمدم
تُو ہے تو کیوں کروں خواہش کہ زمانہ مل جائے

جس زمانے میں ہوں بے معنی رنگ و نسل
تیرے ملن کے لئے ایسا دورِ جاہلانہ مِل جائے

تُجھ سے میرا تعلق ایندھن و آگ کے جیسا ہے
کوئی معجزہ ہو اگر تیری صُحبت و یارانہ مل جائے

جن کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے بخت شام و سحر
خُدا کرے اُن سے بھی کوئی مشورہ مخلصانہ مل جائے

نظم

آپ کے بیٹے کے جیسا ہوں
لڑکا لڑکی نہیں ہے لازم
رب کی مرضی کے جیسا ہوں
نعمت مانا رحمت مانا
مُجھکو بھی کچھ مانو نا !
پیار مُحبت کچھ تو کرلو
ذلت مُجھ کو سمجھو نہ
میں نے دولت ،حصہ مانگا؟
چاہی تو فقط شفقت چاہی
اپنے باقی بچوں جیسے
بنتے کیوں نہیں میرے ہمراہی
میں بھی اُلف بے جیسا ہوں
آپ کے بیٹے کے جیسا ہوں
لڑکا لڑکی نہیں ہے لازم
رب کی مرضی کے جیسا ہوں!

محمد احتشام
سال چہارم ایم بی بی ایس

غزل

خواب سارے خراب کر کے اب چلے ہیں آرام کرنے
حسینیں ساری تارتار کر کے چلے ہیں ان کو سلام کرنے

پی ہے اتنی کے لکھ چکے ہیں اک مکمل کتاب شاعری
شراب ساری حلال کر کے اب چلے ہیں حرام کرنے

کھینچ ڈالا تھا کچھ ایسا منظر پھاڑ پھینکا تھا ڈائری سے
اس پاکیزہ کلام کو اب چلے ہیں زبانِ زدِ عام کرنے

مسرتوں کے بے بہا چشمے یہ ہجر کے جاوداں لمحے
ذہن سے ان کو نکال کر چلے ہیں سب آلام کرنے

بچا رکھا تھا جس فریبی راہ سے کچھ قریبی ساتھیوں کو
اس گلی میں بیوپار چلے ہیں اب ہم سرِعام کرنے

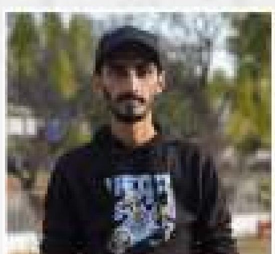

محمد معاذ
سال سوم ایم بی بی ایس

عائشہ شبیر
سال چہارم ایم بی بی ایس

اے بنتِ حوا

اے بنتِ حوا!! بہت قیمتی ہو تم
تم ہو ذریعہ مکمل دین کا اپنے شوہر کے لیے
تم ہو ذریعہ جنت کا ان مردوں کے لیے
ذرا ٹھہرو، رکو، سنبھلو اور سوچو تم

اے بنتِ حوا!! بہت قیمتی ہو تم
ہے دنیا آسان تمہاری، ہو جنت بھی تم
ایسا کرتی ہو کیا کہ ہو جہنم میں بھی زیادہ تم
یہ ہے ناشکری تمہاری جو لے ڈوبے گی تم کو

اے بنتِ حوا!! بہت قیمتی ہو تم
سونا و ریشم ملا ہے تم کو، مرد کو تو نہیں
ڈھکی چھپی خوشبو ہو تم، مرد تو نہیں
ذرا ٹھہرو، رکو، سنبھلو اور سوچو تم

اے بنتِ حوا!! بہت قیمتی ہو تم
دھوپ میں جلنا ہے مرد کو، کیوں ہو تم اسکی تلاش میں
وہ ہے حاکم اور ہے ذمہ دار، تم ہو سکون یہ مان لو
ذرا ٹھہرو ، رکو ، سنبھلو اور سوچو تم

تم ہو ذریعہ جنت کا اپنے باپ کے لیے
تم ہو جنت آخر اپنے بیٹے کے لیے
جو دھیان نہ دیں تم پہ تو ہو فتنہ تم
جو تم ہو ذریعہ جنت کا، تو کیا تم خود ہو اس میں؟

جو کر ڈالو فقط پانچ کام تو جنت میں ہو تم
تو رکھتی ہو کیوں دنیا کے لیے مشکل میں خود کو
ذرا ٹھہرو، رکو، سنبھلو اور سوچو تم
شکر بھی ہے اک پیمانہ، کیا تم کو یاد نہیں؟

کیوں بنتی ہو تم مرد جیسی، ہو نہیں وہ تم
ہر رنگ چھو سکتی ہو تم، مرد تو نہیں
رزق و حسن تم سے ہے، مرد سے تو نہیں
تم برابر ہو ان کے مگر ان جیسی تو نہیں

تم ہو مکمل اور آزاد، کیوں ہو تم اسکی تلاش میں
سخت جاں ہے اور سخت جلد ہے وہ، تم ہو نرم یہ مان لو
ہے آسان زندگی تمہاری، اگر تم سمجھو اور یہ مان لو
گر کرو شکر جو تم، تو اے بنتِ حوا بہت قیمتی ہو تم

نظم

سمیعہ کنول
سال دوم ایم بی بی ایس

پنجہ عسرت کی ہے گرفت ہماری رگ جاں پہ
بندے شاکر ہیں پھر بھی جیے جا رہے ہیں

عالی عزم ہیں ہونا منقلب نہیں شیوہ ہمارا
کام مشکل ہیں جو وہ بھی کیے جا رہے ہیں

شرع و آئین کی تعزیر سے بھی واقف ہیں پہ
وحشت رزق کے رسیا ہیں سو پیے جا رہے ہیں

Urdu Section